بہتر مشورہ وہی ہے جو حقوق العباد کی ادائیگی اور اصلاح معاشرہ کا موجب ہو

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶؍ اپریل ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:-

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَن يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۵﴾

(النساء:۱۱۵)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ باہمی مشورے بنیادی طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ مشورے ہیں جو انسان کی بہتری اور بھلائی اور نیکی کے لئے ہوتے ہیں۔ ایسے مشورے خیر پر منتج ہوتے ہیں دوسرے وہ مشورے ہیں جن کے نتیجہ میں بنیادی طور پر حقائق مختلف ہوتے ہیں اور ان سے خوشحالی پیدا نہیں ہوتی تاہم جو مشورے خیر کے ہیں اور بھلائی کے ہیں انسان کی بہتری اور خوش حالی کے ہیں، وہ قرآن عظیم کے بیان کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک مشورہ وہ ہے جو صدقہ کے بارہ میں کیا جاتا ہے۔ عربی زبان اور قرآنی محاورہ میں اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ انسان اپنے مال کا جو اللہ تعالیٰ ہی نے اسے عطا فرمایا ہے کم از کم ایک حصّہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرے چنانچہ اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

رضا کے حصول کے دو بنیادی طریق ہیں ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ عباد کے حقوق کی ادائیگی۔ ایک کو ہم حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسرے کو حقوق العباد۔ ان حقوق کی ادائیگی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

مال کا خرچ ہر دو طریق پر ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے صاحبِ عقل و فراست بندے باہمی مشورہ کرتے ہیں حقوق اللہ کی ادائیگی کے ضمن میں اس لئے کہ مثلاً معاشرہ اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو اس میں کوئی بد اخلاقی اور گند نہ ہو مرد و زن کا اختلاط اس قسم کا نہ ہو جس کے نتیجہ میں اخلاقی اور معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسکی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس سلسلہ میں باہمی مشورہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی ہے اس کو سیکھا جائے اور دوسروں کو سکھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین اور اکمل ترین شریعت اسلامیہ عطا فرمائی ہے اس کو رائج کیا جائے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق پیدا ہونا چاہئے اس تعلق کو پیدا کرنے کے لئے فضا کو ہموار اور درست کیا جائے۔ یہ بھی گویا حقوق اللہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں خرچ کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی پر جو خرچ ہے اس کا مقصد اقتصادی خوشحالی پیدا کرنا ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اقتصادی طور پر جو حقوق قائم کئے ہیں ان حقوق کی ادائیگی کے لئے خدا کی راہ میں جو اموال پیش کئے جاتے ہیں ان کو خرچ کرنے کی تجاویز سوچنا اور باہمی مشورہ سے انسان کے اقتصادی حقوق کی ادائیگی کی تدابیر کو بروئے کار لانے کے لئے مناسب ذرائع اختیار کرنا، اس قسم کے سب مشورے اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ کی ذیل میں آتے ہیں۔ پس جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے خیر کے جو مشورے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں پہلی قسم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کیلئے اموال پیش کرنے اور پھر ان کو بہترین رنگ میں خرچ کرنے کی تدابیر سوچنے اور عمل کی راہیں نکالنے سے متعلق ہیں اور یہ قسم اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ کی ذیل میں آتی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوْ مَعْرُوْفٍ یعنی خیر کا دوسرا بنیادی مشورہ معروف باتوں کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ عقل اور شرع ہر دو لحاظ سے جو چیز حسن ہو، خوبصورت ہو اور بھلی ہو اس کو عربی زبان میں معروف کہتے ہیں۔ جس چیز کو شرع حسن سمجھتی ہے عقل بھی اس کو صحیح سمجھے گی۔ اگر انسان فطرت صحیحہ کا مالک ہے تو اس کی عقل ہر شرعی

حکم کو خوبصورت اور بھلا جانے گی گویا ہر شرعی معروف عقلاً بھی معروف ہوگا بشرطیکہ فطرتِ صحیحہ کار فرما ہو۔انسانی زندگی کے بہت سے ایسے حقائق ہیں جن کے اصول تو ہمیں بتا دیئے گئے ہیں۔ لیکن اُن کی تفاصیل کے سمجھنے کے لئے زمان ومکان کی بدلتی ہوئی صورتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ہر زمانہ ہر مقام اور ہر حالت کے مطابق عقل کہتی ہے کہ یہ چیز معروف ہے۔ یہ چیز عقل کے نزدیک اچھی ہے۔

پس اگر چہ ہر دو لحاظ سے بنیادتو مذہبی ہی ہے لیکن بعض دفعہ اسلامی شریعت پر عمل کرنے والا۔ اسلام کو ماننے والا یہ کہے گا کہ عقلی بھلائی کی جو باتیں سوچی گئی ہیں وہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں تعلیم کی ذیل میں آتی ہیں لیکن جو دُنیا دار لوگ ہیں جن کو اسلام کا کچھ پتہ نہیں یا جو مذہب سے دور ہیں، وہ یہ کہیں گے کہ انسانی عقل اِن چیزوں کو درست سمجھتی ہے اس لئے یہ درست ہے۔پس اگر معروف کا مشورہ ہو تو وہ قرآن کریم کے نزدیک خیر کا مشورہ ہے لیکن جس چیز کو شریعت حقّہ اور انسانی عقل اور فطرت صحیحہ حسن اور بھلا نہیں سمجھتی وہ خیر کا مشورہ نہیں ہے مثلاً ڈاکہ ڈالنا ہے یا مثلاً ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنا ہے یا مثلاً بغاوت کے خیالات رکھنا اور باہمی مشورہ سے بغاوت کی راہ ہموار کرنا۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کی شرع بھی اجازت نہیں دیتی اور انسانی عقل بھی اگر وہ درست ہو اور پوری طرح تربیت یافتہ ہو اور اچھی طرح نشوونما پا چکی ہو تو وہ بھی اس قسم کی مفسدانہ روش کو غلط قرار دے گی۔

پھر فرمایا اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ لوگوں کے درمیان صلح کرانا تیسری قسم کا بنیادی مشورہ ہے یہ بھی خیر اور بھلائی کا مشورہ ہے۔ اصلاح معاشرہ کے ذیل میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ ایسے حالات پیدا کرنا کہ باہمی اختلافات بہت کم پیدا ہوں یا جب اختلافات پیدا ہوں تو وہ فساد پر منتج نہ ہوں بلکہ انسانی معاشرہ کی اصلاح پر منتج ہوں۔

پس جو مشورے ان تین عنوانوں کے ذیل میں نہیں آتے ان کے متعلق قرآن کہتا ہے لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ایسے مشوروں میں کوئی خیر اور بھلائی کی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ جس چیز کو سب صحیح الفطرت انسان درست سمجھیں اُسے عربی میں خیر کہتے ہیں حضرت امام راغبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا ذہن عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے مفردات میں ’’خیر‘‘ کے معنے یہ

لکھے کہ ہمیشہ سب انسان ہی خیر سمجھیں تب وہ چیز ''خیر'' ہوگی۔ یہ مطلق خیر ہے یا یہ کہ چونکہ زمانہ زمانہ قوم قوم اور ملک ملک کے حالات مختلف ہوتے ہیں اسلئے ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر ملک ایک چیز کو خیر سمجھتا ہے مگر دوسرے زمانہ میں وہ چیز خیر نہیں رہتی۔ چنانچہ انسان کی اقتصادی زندگی کے اکثر پہلو زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں مثلاً ایک چیز جو صنعتی ترقی سے پہلے خیر سمجھی جاتی تھی وہ اب خیر نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ آئے دن نئے نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں ہر قسم کے مسائل سے نپٹنے کے مشورے اور کوششیں خیر کے مشورے اور کوششیں ہوتی ہیں اور چونکہ مسائل بدلتے رہتے ہیں اس لئے زمانہ کے لحاظ سے بھی اور بدلے ہوئے مکان کے لحاظ سے بھی یہ مطلق خیر نہیں بنتی بلکہ اپنی نسبت کے لحاظ سے خیر ہے یعنی زمانہ کی نسبت، حالات کی نسبت اور مسائل کی نسبت سے وہ خیر ہے تاہم جہاں تک بھلائی اور حُسن اور اصلاح پیدا کرنے اور قرب الٰہی کی راہیں ڈھونڈھنے کا سوال ہے وہ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے تین حصوں میں منقسم ہے لیکن جہاں ایسا نہیں ہوتا یعنی جہاں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر پیسے خرچ کر کے خیر کے سامان پیدا نہیں کر رہا تو ایسے مشورے لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ کے مصداق ہوتے ہیں۔

غرض ''صدقة'' کے لفظ میں حقوق العباد کی ادائیگی کے تحت اقتصادی خوشحالی مراد ہے۔اس میں حقوق اللہ کی ادائیگی بھی شامل ہے گویا اموال کے خرچ کے بارہ میں مشورے کرنا صدقة کے حکم میں آتا ہے۔ دوسرے وہ مشورے ہیں جو حقوق العباد کی ادائیگی کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ پھر خیر مطلق اور خیر نسبتی بھی ہوتی ہے ان کا آپس کا فرق اس بات سے عیاں ہو جائے گا کہ ایک وقت میں کارخانوں وغیرہ میں ہڑتالیں کرنا غیر قانونی تھا چنانچہ اس وقت جماعت احمدیہ کا موقف یہ تھا کہ ہم نے ہڑتالوں میں حصہ نہیں لینا۔ ہڑتالوں کو قانونی تحفظ مل گیا ہے۔ قانون نے اجتماعی سودے بازی کی اجازت دے دی ہے اس واسطے مسئلہ بدل گیا۔ جب ہڑتالیں کرنا غیر قانونی فعل تھا، منع تھا اب یہ قانون کی ذیل میں آ گیا ہے تو وہ ممانعت نہیں رہی لیکن یہ تین شرائط اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اگر احمدی مزدور کسی کارخانے میں مُزدوری کرتے ہوں اور اجتماعی سودی بازی کا سوال پیدا ہو تو ایک احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسا مشورہ دے جس سے اقتصادی خوشحالی پیدا ہوتی ہے۔

بعض دفعہ مزدور غصہ میں آ کر کہتا ہے کہ کارخانے کو آگ لگا دی جائے یا مزدور سر جوڑتے اور یہ مشورہ کرتے ہیں کہ پیداوار کو تلف کر دیا جائے مثلاً ایک لاکھ روپے کا کپڑا پڑا ہے اس کو آگ لگا دی جائے تا کہ مالک کو بھی پتہ لگے کہ وہ ہمارے حقوق کیوں ادا نہیں کر رہا۔ یہ غصہ کا اظہار تو ضرور ہے لیکن یہ صدقہ کے اصول پر مشورہ نہیں ہے۔ جو مال ضائع ہو جاتا ہے اگرچہ وہ ایک لحاظ سے خرچ ہی ہے لیکن وہ ہمارے کام کا نہیں رہتا۔ یہ ایسا خرچ نہیں جو خدا تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہو اور اس کی رضا کے حصول کا ذریعہ بننے والا ہو نہ یہ ایسا خرچ کہ جو حقوق العباد کی ادائیگی کی ذیل میں آتا ہو کیونکہ مال تو ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ اگرچہ خرچ کے صحیح معنوں میں نہیں آتا تاہم یہ مشورہ صدقہ کی اصطلاح میں آجاتا ہے اور یہ ایسا مشورہ ہے کہ جس کے نتیجہ میں اقتصادی خوشحالی پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں بلکہ اقتصادی بدحالی پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جس کی اجازت شریعت حقہ نہیں دیتی۔

غرض اس قسم کے مشوروں میں جو اجتماعی سودے بازی کے لئے ہوں۔ موجودہ حالات میں ان کی ایک حد تک اجازت بھی دی گئی ہے۔ یہ ایک نسبتی خیر ہے کہ اُن محنت کشوں کے حقوق صحیح معنوں میں ادا ہو جائیں۔ اس کے متعلق میں پہلے بھی کئی دفعہ بتا چکا ہوں اب بھی ضرورت پڑی تو قرآن کریم ہی کی روشنی میں کچھ کہوں گا۔

بہرحال اقتصادی خوشحالی کیلئے مشورے ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کے مشورہ کے نتیجہ میں حقوق العباد ادا نہ ہوں یا ادا نہ ہو سکتے ہوں بلکہ ان کی ادائیگی میں روک پیدا ہو جائے مثلاً اگر ایک لاکھ روپے کا کپڑا موجود ہے تو حقوق العباد کی ادائیگی یعنی مزدوروں کے حقوق کی ادائیگی بہتر رنگ میں ہو سکتی ہے اگر وہ تلف ہو جائے تو اس کا نقصان ان کو بھی پہنچے گا۔

پس احمدی مزدور کے لئے جہاں بدلے ہوئے حالات میں اجتماعی سودے بازی کے مشوروں میں شریک ہونے کی اجازت ہے وہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایسے مشورے کریں جو لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ کے حکم کے ماتحت آتے ہوں۔ اس قسم کے مشورے کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اب چونکہ ملکی صنعت تو خدا کے فضل سے اور ترقی کرے گی اس میں کثرت سے احمدی مزدور اور کاریگر بھی شامل ہونگے۔ مختلف

ایسوسی ایشنز اور کارخانوں کی انتظامیہ میں اُن کا بھی حصہ ہوگا اس لئے احمدی دوستوں کو یہ اصول کبھی نہیں بھولنے چاہئیں ورنہ وہ احمدی کیسے رہیں گے؟ کیونکہ ایک طرف تو ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے اسلام کی تعلیم کو ساری دنیا میں پھیلانا ہے اور دوسری طرف عمل یہ کہ جب کام کرنے کا موقع پیدا ہو تو ہماری روش لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ کی مصداق بن جائے۔ باہمی مشوروں میں بھلائی کی بجائے فساد کے طریق اختیار کرنے کے لئے آپس میں سمجھوتے کرنے کی کوشش میں لگ جائیں۔ قرآن کریم کسی مسلمان کو بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ احمدیت سے باہر مسلمانوں کے جو فرقے ہیں اُن کا نہ تو عمل ایسا ہے اور نہ کوئی دعویٰ اور نہ ہی اُن کو کوئی ایسی بشارت ملی ہے کہ ان کے ذریعہ اسلام کو ساری دُنیا میں غالب کیا جائے گا لیکن ہمیں تو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں مہدی معہود علیہ السلام کے ذریعہ یہ بشارت دے رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ احمدیت کے ذریعہ احمدیوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر اسلام کو قرآن کریم کی شریعت کو اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلا دے گا۔

پس موجودہ حالات میں جہاں ہمیں اجتماعی سودے بازی کے مشوروں میں شامل ہونے کی اجازت دی گئی ہے وہاں ہم پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی ہے کہ اپنے اپنے (اور اپنے سے مراد ہے جس کا زمانہ کے ساتھ کسی احمدی کا یا بہت سے احمدیوں کا تعلق ہے) حلقہ میں خیر کے مشورے دیں۔ ہمارے مشورے فساد اور بُرائی کے مشورے نہ ہوں کیونکہ بُرائی خیر کی ضد ہے۔ مشورے تو ہوتے رہتے ہیں۔ مشورے کے بغیر تو زندگی ہی کوئی نہیں نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے مثلاً سول انتظامیہ ہے۔ وہ بھی آپس میں مشورے کرتی ہے جب مسائل اکٹھے ہو جائیں تو علاقہ کا ڈی سی یا سپرنٹنڈنٹ پولیس اپنے ساتھیوں کو بُلا کر اُن سے حالات سنتے اور ان کے متعلق مشورے لیتے ہیں لیکن ان کے ذہن میں یہ نہیں ہوتا کہ مشوروں کے متعلق قرآن کریم نے کچھ بُنیادی تعلیم عطا کی ہے اور وہ کیا ہے؟ مگر ہم قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اُن کو تو علم نہیں کیونکہ اُن کو بتانے والا کوئی نہیں۔ وہ تو بدقسمت ہیں اس معنی میں کہ ان کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں مگر ہمارے لئے تو خدا تعالیٰ نے ہدایت دینے والے پیدا کر دیئے ہیں۔ پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ تم میں کوئی نہ کوئی موجود رہتا

ہے جو تمہیں قرآن کریم کی طرف بلاتا اور اس کی آواز تمہارے کانوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم قرآنی تعلیم سے فائدہ اٹھاؤ۔

یہ صرف سول انتظامیہ تک بات محدود نہیں اسی طرح فوجی مشورے ہوتے ہیں۔ اسی طرح وزراء مشورہ کرتے ہیں۔ اس طرح صوبوں کے باہمی مشورے ہوتے ہیں۔ اگر وہ اقتصادی مشورے ہیں تو اُن میں بنیادی طور پر یہ بات مدّنظر رکھنی پڑتی ہے کہ ایسے پروگرام بنائے جائیں کہ جن کے ذریعہ حقوق العباد یعنی وہ اقتصادی حقوق پورے ہوں جن کا ادا کرنا امت محمدیہ پر فرض کیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے آپ کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ایک فقرہ کہہ دیتا ہوں کہ ہر فرد بشر کا یہ حق قائم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مختلف طاقتیں اور استعدادیں دی ہیں اُن کی صحیح نشوونما ہوسکے اور نشوونما کے بہترین معیار پر وہ قائم رکھی جاسکیں۔ پس ہر اقتصادی مشورہ اگر الٰہی احکام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بیان کردہ حقوق العباد کی ادائیگی کا مشورہ ہے تو وہ خیر کا مشورہ ہے اگر وہ اس سے کچھ مختلف ہے تو وہ خیر کا مشورہ نہیں ہے اسلئے کسی احمدی کو ایسا مشورہ دینے کی اجازت نہیں ہے حقیقت یہ ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اگر کوئی احمدی قرآن کریم کی تعلیم کو دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر توڑتا ہے۔ تو وہ اسی وقت جماعت احمدیہ سے باہر نکل جاتا ہے خواہ کسی طرف سے اس کے متعلق اعلان ہو یا نہ ہو کیونکہ ہماری زندگی کا انحصار قرآن کریم پر ہے۔ قرآنی تعلیم پر عمل پیرا رہنا ہماری زندگی کا اوّلین مقصد ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق يُحْيِ الدِّيْنَ وَيُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ ۵۵) کا الہام ہے۔ اس الہام کی رو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وساطت سے آپ کو یہ بشارت بھی دی اور احیائے دین اور قیامِ شریعت کی بھاری ذمہ داری بھی آپ پر عائد کی گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ آپ دین کا احیاء فرمائیں گے دین کی جو باتیں لوگ بھول گئے ہیں وہ اُن کو دوبارہ یاد کرائیں گے۔ ویسے دین تو حیّ یعنی زندہ ہے اسلامی شریعت تو ابدی ہے لیکن اس پر عمل کرنے والوں پر شرعی لحاظ سے جب مردنی چھا جاتی ہے تو احیائے دین یعنی بنی نوع انسان کو دین پر قائم

کرے اور انہیں ایک نئی روحانی زندگی دینے کے لئے کسی آسمانی وجود کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی غرض کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت ہوئی ہے یعنی شریعت حقہ اسلامیہ کو قائم کرنے کیلئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے یہ وہ عظیم الشان فریضہ ہے جس کو سرانجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مہدی معہود علیہ السلام کو مرسل بنا کر اس دُنیا میں بنی نوع انسان کی طرف بھیجا ہے۔

پس ان واضح ہدایات کے باوجود اگر کوئی احمدی ایسا نہیں کرتا تو وہ احمدیت سے نکل جاتا ہے لیکن اگر وہ بے جانے بوجھے ایسا نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اُس کے کانوں میں یہ باتیں بار بار نہیں ڈالیں اس صورت میں اس کی غلط روش کے ذمہ دار ہم ٹھہرتے ہیں۔ مجھ پر یہ ذمہ داری آتی ہے۔ جماعت کے عہدیداروں پر ذمہ داری آتی ہے۔ شاہدین مربیان پر ذمہ داری آتی ہے۔ صرف عہدیداران یا مربیان کا سوال نہیں بلکہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدة: ۳) کی رو سے ہر ایک احمدی پر اپنے اپنے مقام کے لحاظ سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم سب پر یہ ذمہ داری عقلاً اور شرعاً معروف باتوں کے متعلق ہے۔

غرض قرآن کریم ایک بڑی عظیم اور حسین شریعت ہے۔ مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے کہ دین اور دُنیا کی باتیں شرعاً معروف ہی ہوسکتی ہیں اور منکر کے دائرہ کے اندر بھی آسکتی ہیں مگر جو لوگ امت محمدیہ سے وابستہ نہیں قرآن کریم نے اُن کو یہ کہا کہ دیکھو! قرآن کریم پر تو تم ایمان نہیں لاتے اور اس کو واجب العمل شریعت نہیں سمجھتے لیکن ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ بے شک شریعت اسلامیہ پر تمہارا ایمان نہیں ہے لیکن تم خود کو چونکہ صاحب عقل وفراست سمجھتے ہو اس لئے ہم تمہیں یہ نصیحت کرتے ہیں کہ جو چیز انسانی عقل اور فراست اور فطرتِ صحیحہ کے نزدیک معروف نہیں اس کے متعلق اگر تم مشورہ کرو گے تو دُنیا میں فساد پیدا ہوگا اور اس قسم کے مشوروں میں کوئی خیر نہیں ہوگی اور اگر تم اپنی عقل کے مطابق اپنی فطرتِ صحیحہ کے مطابق جس چیز کو اچھا اور حسین سمجھتے ہو اور اُسے بھلا پاتے ہو اگر اُسے قائم کرنے اور اس کے پھیلانے کیلئے تم باہمی مشورے کرو گے تو خود تمہاری عقل یہ کہے گی کہ اچھی بات ہے۔ ایسے ہی مشورے ہونے چاہئیں۔ اُس لئے اگرچہ تم مسلمان نہیں ہو تب بھی ہم تمہیں یہ کہتے ہیں کہ عقلاً معروف کے مطابق مشورے کرو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اُس

نے ہر ایک شخص کو عقل دی ہے اور فطرت صحیحہ پر پیدا کیا ہے وہی تمہیں یہ بھی کہتا ہے کہ گو آج تم شریعت اسلامیہ سے غافل اور اس کے مضامین سے جاہل ہو یہ تو درست ہے لیکن تم نے اپنی فطرت صحیحہ کو تو خیر باد نہیں کہا وہ تو تمہارے وجود کا تمہاری شخصیت کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے ہم تمہیں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تمہارے آپس کے مشورے معروف طریق پر ہونے چاہئیں۔

پچھلے دنوں کا واقعہ ہے آپ میں سے اکثر دوستوں کو یاد ہوگا کہ ہزاروں میل کا چکر کاٹ کر ایک قوم پاکستانی ساحلوں کے قریب مچھلیاں پکڑنے کے لئے آ گئی۔ اب انسانی عقل اس بات کو معروف نہیں سمجھے گی کہ کوئی اتنی دُور سے آ کر پاکستانی ساحلوں کے نزدیک مچھلیاں پکڑ کر لے جائے جو پاکستان کے ماہی گیروں کی غذا اور ان کی اقتصادی خوشحالی کا ذریعہ ہے۔ کوئی انسانی فطرت اور کوئی انسانی عقل اس کو صحیح نہیں سمجھے گی مگر جنہوں نے مچھلیاں پکڑنے والے سمندری جہاز بھیجنے کی تجویز کی اور سر جوڑ کر مشورہ کیا اور اندازے لگائے کہ اتنے لمبے سفر اور خرچ کے باوجود وہاں سے ہمیں اتنی مچھلی ملے گی اور وہ ہمیں مہنگی نہیں پڑے گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے عقل کے ایک تقاضے کو پورا کیا اور وہ یہ کہ تم نے مشورہ کیا لیکن تم نے عقل کے دوسرے اور بنیادی تقاضے پورے نہیں کئے اس لئے کہ تم نے جو مشورہ کیا تھا وہ معروف نہیں تھا، وہ اچھا نہیں تھا، وہ بھلائی کا نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں تھا۔

بنی نوع اِنسان کے اس حصّہ کو جس کا امت محمدیہ سے تعلق نہیں یہ یاد دلا کر کتنا احسان کیا کہ دیکھو! جو چیز عقلاً اور فطرتاً معروف ہے اگر تم اس کے خلاف کرو گے تو ایسا مشورہ فساد، دُکھ اور تکلیف کا موجب ہوگا اور اُس حد تک تم عقلاً بھی خالقِ فطرتِ انسانی کی گرفت میں ہو گے اور اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

پھر فرمایا اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَیۡنَ النَّاسِ اگر تم کہو معاشرہ کی اِصلاح مدّنظر ہے تو اس میں بھی دونوں پہلو پائے جاتے ہیں میں ان کو مختصراً بیان کر دیتا ہوں۔ ایک دنیوی لحاظ سے اصلاح بین الناس ہے اور دوسری شرعی لحاظ سے ہے ویسے تو اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے سارے احکام فطرت کے کسی نہ کسی پہلو کو نمایاں کرتے اور اسے مقناطیس کی طرح اپنی طرف جذب کرتے ہیں مگر جس شخص کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اس کی حالت اس مقناطیسی لوہے کی سی

ہے جو خراب ہو جاتا ہے اور اس کے اندر جذب کی طاقت نہیں رہتی۔

پس یہ تو درست ہے لیکن بعض ایسے مشورے ہوتے ہیں جن کا لوگوں کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ انسانی فطرت اور اسلامی شریعت کے مطالبہ سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں کیونکہ اُن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر جہاں تک دنیوی لحاظ سے معاشرہ کی اِصلاح کا تعلق ہے کوئی انسانی عقل مثلاً ناانصافی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ اس کے لئے ایک مسلمان ہونا یا اس کے لئے عالمِ قرآن ہونا یا اس کیلئے تفقّہ فی الدین ہونا ضروری نہیں۔ ہر وہ انسان جو فطرت صحیحہ پر قائم ہے وہ ناانصافی کو اور حق تلفی کو ٹھیک نہیں سمجھتا۔ یہاں تک کہ ایک چور جو اپنے ایک بدعمل میں اپنی فطرت کو بُھول چکا ہوتا ہے اس کی چوری کا مال بھی اگر کوئی دوسرا آدمی اٹھا لے تو وہ شور مچا دیتا ہے کہ یہ کیا ناانصافی ہے کہ کوئی میری چیزیں اٹھا کر لے گیا حالانکہ اگر یہ ناانصافی ہے تو خود اس کا دوسرے کی چیز کو چرا لینا اور چھیننا بدرجہ اولیٰ ناانصافی ہے۔ لیکن ایک پہلو سے چونکہ اس کا نفس اور اس کا وجود (جس میں عقل، سمجھ اور فراست سب کچھ آ جاتا ہے) اتنا کمزور ہے کہ وہ دوسرے شخص کے مال کو اٹھانے میں ذرا بھی عار نہیں سمجھتا اور اپنی فطرت کے خلاف نہیں پاتا لیکن وہی چوری کا مال جب کوئی دوسرا چور اٹھا لیتا ہے تو شور مچا دیتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا یہ تو انصاف کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ اس سے جا کر لڑتا ہے اور اسے مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پس اصلاح بین الناس یعنی معاشرہ کی جو اصلاح ہے یا انسان کے جو باہمی تعلقات ہیں (انسان انسان میں بڑے وسیع اور گہرے تعلقات ہیں) ان کو فلاح کی بنیاد پر قائم ہونا چاہیئے۔ فساد کی بنیاد پر قائم نہیں ہونا چاہیئے۔ غرض قرآن کریم نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مشورے اچھے اور بھلے اور بہتر ہیں جو تین مختلف قسم کی باتوں کے متعلق ہوں۔ ایک یہ کہ اقتصادی خوشحالی کے سامان پیدا کرنے والے ہوں۔ حقوق العباد کی ادائیگی سے ان کا تعلق ہو، اُن میں فساد کا کوئی شائبہ نہ ہو دوسرے روحانی طور پر مشورے ہیں۔ میں اس سلسلہ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص مال لینے والا ہے اس کے جسمانی اور مادی حقوق ہیں مثلاً اس کی طاقتوں اور استعدادوں کی نشوونما ہونے والی تھی اس کے لئے کچھ چیزیں درکار تھیں جن کے بغیر اس کی نشوونما نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ اس کی نشوونما کیلئے سازگار

حالات پیدا کئے گئے اور جو دینے والا ہے، وہ بھی صدقہ کے اندر آجاتا ہے ہاں اس کے وجود کے بہت سارے روحانی پہلو جو کمزور تھے ان کی کمزوری دُور ہوگئی گویا ایک طرف بڑے نمایاں طور پر یہ ایک اقتصادی مسئلہ ہے اور دوسری طرف یہ ایک بڑا گہرا روحانی مسئلہ ہے۔ تمہارے اموال میں دوسروں کا جو حق ہے اگر وہ تم ادا نہیں کرو گے تو اس کا نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ تم روحانی برکات سے محروم ہو جاؤ گے تیسرے، اصلاح بین الناس کی رو سے تمہارے آپس کے تعلقات ہیں۔ ان میں سے بعض کے اوپر دُنیا کے اصول چلتے اور بعض پر روحانی اصول بھی چلتے ہیں گویا معاشرہ کو دونوں قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ جن کو ایک مسلمان اسلامی تعلیم کی روشنی میں اور غیر مسلم محض اِنسانی عقل اور فراست اور فطرت صحیحہ کی روشنی میں حل کرے گا۔ موخرالذکر صورت میں کوئی مسئلہ کا حل تو کسی حد تک مِل جائے گا لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں جو مشورہ بھی مذکورہ تین بنیادی اصول کے خلاف ہوتا ہے وہ خیر کی بجائے فساد اور برائی کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مشورے کی اجازت نہیں دیتا۔

جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جو شخص مذکورہ اصول کو یاد نہیں رکھتا اور ان کی خلاف ورزی کر کے دنیا میں اقتصادی حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ عملاً جماعت احمدیہ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے اوپر نظامِ جماعت نے کوئی جرم عائد کیا یا نہ کیا اور اس کو سزا دی یا نہ دی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ بہر حال احمدی نہیں رہتا۔

پس یہ بڑے فکر کی بات ہے۔ ہر وقت بیدار رہ کر اپنی زندگیوں کو اسلام کے بتائے ہوئے اصول پر ڈھالنے کا سوال ہے۔ کسی شخص کو ایسے مشوروں میں شامل نہیں ہونا چاہیئے جو موجب فساد ہوں ورنہ ہم وہ مقصد حاصل نہیں کر سکتے جس کے حصول کے لئے جماعت احمدیہ کو قائم کیا گیا ہے اور جس کی خاطر اس کے اندر اتنا جذبہ پیدا کیا گیا کہ وہ آج ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کی توفیق ملے تا کہ تمام بنی نوع انسان اسلام کے اُس حسین معاشرہ کا حصّہ بن جائیں جِسے اللہ تعالیٰ مہدی معہود علیہ السلام کے ذریعہ بنی نوع انسان کی خاطر دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶/جون ۱۹۷۳ء صفحہ ۲ تا ۶)